مولانا سعدالدینؒ کی یاد میں

پروفیسر خورشید احمد

مولانا سعدالدینؒ ریاست جموں و کشمیر میں تحریک اسلامی کے داعی اور امیر کی حیثیت سے ایک انقلاب آفریں شخصیت تھے جن کے فکر اور کردار نے کئی نسلوں کی زندگیاں تبدیل کر دیں۔ مجھے یقین ہے جس طرح ان کے جنازے میں کشمیر کے ہزاروں متوالوں نے شرکت کی اسی طرح ملاے اعلیٰ میں اللہ کے فرشتوں نے ان کا استقبال کیا ہوگا اور جنت کی فضاؤں نے انھیں خوش آمدید کہا ہوگا۔

مولانا سعدالدینؒ کے نام نامی اور ان کی گراں قدر دعوتی، علمی، تعلیمی اور تحریکی خدمات سے تو میں اپنے طالب علمی کے دور ہی میں واقف ہو گیا تھا۔ جب ریاست جموں و کشمیر کا ذکر تحریکی حلقوں میں ہوتا تو بات ان کے نام گرامی پر مرکوز ہو جاتی۔ اپنے ایام اسیری میں جو لمحات اپنے اور آپ کے مرشد سید مودودی کے ساتھ گزارے، اس زمانے میں خود مولانا کی زبان سے مولانا سعدالدینؒ کا تذکرہ سنا۔ لیکن ان سے ملنے کی سعادت ۱۹۸۰ میں حاصل ہوئی۔ دو ملاقاتیں پاکستان میں اور ایک سعودی عرب میں، میری یادوں کا حسین سرمایہ ہیں۔

ان کی صحبت میں انسان ایک غیر معمولی کیفیت میں اپنے آپ کو محسوس کرتا تھا۔ یہ تجربہ زندگی میں کم ہی ہوا ہے۔ ہر بار ان سے مل کر احساس ہوا کہ ایک ایسے شخص کی رفاقت حاصل ہے جو فنافی اللہ ہے، جس کے پرنور چہرے اور جس کے پرتاثیر کلمات سے للہیت کی روشنی اور خوشبو ضوفشاں ہے، جس سے ان سے ملنے والا متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ ان تینوں نشستوں میں یہ تاثر گہرا ہی ہوتا گیا۔ ان کی بردباری، محبت اور شفقت، معاملہ فہمی، تدبر، حکمت و دانائی اور اسلام اور مسلمانوں سے والہانہ شغف کے گہرے نقوش قلب و نظر پر مرتسم ہوئے۔ لیکن سب سے بڑھ کر نقش ان کی للہیت ہی کا رہا۔ دل نے گواہی دی کہ الحمدللہ ہر دور میں اور ہر علاقے میں رسول عربیؐ کی امت میں سچے اللہ والے جو اسلاف کا نمونہ ہیں، موجود ہیں اور یہ روشن چراغ اسی طرح تابناک رہیں گے۔ ان شاء اللہ!

میں اپنے تاثرات کا جائزہ لیتا ہوں تو سب سے پہلے مولانا سعد الدینؒ کی شخصیت سامنے آتی ہے۔ ان کا علم، ان کی خدمات، ان کے اثرات سب مسلّم، لیکن میرے دل پر سب سے گہرا اثر ان کی پرسوز شخصیت کا ہے جس میں بلا کی مقناطیسی کشش تھی۔ پہلی نظر میں دل ان کا گرویدہ ہو گیا، پھر ان کی باتوں سے حکمت و دانائی، معاملہ فہمی اور حقیقت زندگی کے ورق الٹتے رہے اور یہ احساس گہرا اور گہرا تر ہوتا گیا کہ یہ سادہ پوش بزرگ صفت انسان حالات پر گہری نظر رکھتا ہے اور تحریک کے معاملات کو ژرف نگاہی سے دیکھتا اور گتھیوں کو سلجھاتا ہے۔

مولانا سعد الدینؒ ۱۹۴۸ء میں ترجمان القرآن کے ذریعے مولانا مودودیؒ کی دعوت سے روشناس ہوئے اور اپنے قلب و ذہن میں اس کی آواز کی بازگشت محسوس کی۔ [illegible] کا یہ ملاپ وادی کشمیر میں تحریک اسلامی کے پودے کی کاشت کا ذریعہ بنا۔ ۱۹۴۲ء میں شوپیاں میں چند دردمند اہل حق کے طالبوں نے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور مولانا سعد الدینؒ کو امیر منتخب کیا۔ یہ ذمہ داری انھوں نے نرم و گرم اور سخت سست ہر قسم کے حالات میں ۱۹۸۵ء تک انجام دی۔ جب وہ امارت سے فارغ ہوئے تو وہی ننھا پودا جو ان پاک نفوس نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے لگایا تھا، ایک حسین باغ اور ہری بھری فصل بن چکا تھا جس نے وادی ہی نہیں جموں و کشمیر کے طول و عرض میں دعوت اسلامی، اسلامی تعلیم و تربیت اور خدمت و تعاون کی ایک فصل کھڑی کر دی جو بھارت کے ظلم و جبر اور خود ریاست کے مفاد پرست اور مصلحت کوش عناصر کے تشدد اور تعذیب کے باوجود طوفان باد و باراں کا مقابلہ کر رہی تھی اور مستقبل کی روشنی اور تابناکی کی خبر اس طرح دے رہی تھی:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح ۴۸:۲۹)

"گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔"

مولانا سعد الدینؒ کا اوڑھنا بچھونا قرآن پاک تھا۔ وہ قرآن کی تعلیم ہی کو امت کی ترقی کا اصل ذریعہ سمجھتے تھے۔ مردوں سے بھی زیادہ عورتوں کی تعلیم و ترقی کے داعی تھے۔ وہ تعلیم ہی کے ذریعے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آخری پارے کی تفسیر بھی لکھی جو ہزاروں اسکولوں اور مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ انھوں نے پوری ریاست میں ابتدائی اور ثانوی تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھا دیا تاکہ نئی نسلوں کا رشتہ اسلام سے استوار رہے اور بھارت کے فکری، ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی استعمار کی گرفت سے ان کو بچایا جا سکے۔ ان کی تصنیفات بنیادی اسلامی دعوت سے لے کر فقہ اور اسلامی معاشیات تک ہیں لیکن ان کی فکر کا اصل محور قرآن پاک اور دعوت کا اصل ہدف انسان کی تبدیلی، حق کی دعوت، دین کی شہادت اور اس کی اقامت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ان کے پیغام اور ان کے ساتھیوں اور

جماعت اسلامی کی جدوجہد کو ایک انقلابی تحریک بنا دیا۔

وہ بہت سوچ سمجھ کر، ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے، دھیمے انداز میں لیکن بڑے محکم دلائل کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر ان کو اس قائدانہ صلاحیت پر عبور حاصل تھا کہ کیا چیز کہنے کی ہے اور کیا کام صرف کرنے کا ہے۔ کب، کہاں اور کس سے کیا بات کہنی ہے۔ کہاں اظہار میں دعوت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور کہاں سکوت، اظہار پر فوقیت رکھتا ہے۔ انھوں نے دعوت اسلامی کے ساتھ ملت کشمیر کی سیاسی رہنمائی بھی کی۔ بھارت کی بالادستی کو کبھی قبول نہ کیا، الحاق کو متنازع کہا اور برملا کہا اور اس کی سزا ایمان اور فخر کے ساتھ بھگتی۔ انھوں نے بیرونی استعمار سے آزادی کی روح، نئی نسلوں ہی میں نہیں، سفید ریش بزرگوں میں بھی پھونک دی، لیکن اس حکمت اور دانائی کے ساتھ کہ نہ دعوتی اور سیاسی کام کا توازن مجروح ہوا اور نہ تحریک اسلامی کے دستور، طریق کار اور مزاج میں کوئی انحراف واقع ہوا۔ یہ توازن، یہ اعتدال، یہ سوجھ بوجھ، یہ حکمت اپنی نظیر آپ ہے اور ہماری آج کی قیادتوں کے لیے اس میں بڑی روشنی اور رہنمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سعد الدینؒ کی خدمات کو شرف قبول بخشے، ان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر فرمائے، انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین! جو قبولیت، عزت، اکرام، محبت اور عقیدت ان کو ان کی بے لوث خدمت کی وجہ سے خود دنیا میں حاصل ہوئی وہ اس امر پر گواہ ہے کہ وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھے۔ جس طرح ان کا چرچا ان کی موت کے بعد بھی جاری رہا اور ان کی جاری کردہ دعوت اور پیغام مسلسل کمیت اور کیفیت ہر اعتبار سے روز افزوں ہے، اس کی بنا پر تو دل سے بے ساختہ یہ آواز نکلتی ہے ؎

بجھا ہے دل، تو دل ہی دل کے چرچے ہیں
جو اس طرح سے موت آئے، تو کون مرتا ہے

(مولانا سعد الدینؒ کی یاد میں منعقد ہونے والے سیمی نار میں پڑھا گیا۔ اسلام آباد، ۱۸ اپریل ۹۹)